

ثابت قدمی اور یکسوئی (Staying Whole)

بہت سے لوگ اخلاقی اقدار کے بارے میں بڑے اعتماد سے گفتگو کرتے ہیں— لیکن صرف اس وقت تک، جب تک ان اقدار کی خاطر کوئی قیمت نہ چکانی پڑے۔ اصل امتحان تب ہوتا ہے جب خوف، آسائش یا کوئی لالچ سامنے آجائے، اور دیانت داری کو محض ایک خیال سے بدل کر عمل میں ڈھالنا پڑ جائے۔ حقیقی عزت کمال میں نہیں بلکہ راست بازی میں ہے: یعنی ایسے جینا کہ آپ کے اندر کوئی تضاد نہ رہے۔ ہمارا ہر چھوٹے سے چھوٹا انتخاب ہمیں یا تو محض اپنی آسائش کے تحفظ کی تربیت دیتا ہے یا پھر سچائی پر قائم رہنے کی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کا کردار الفاظ سے نہیں، بلکہ ان لمحات میں عیاں ہوتا ہے جب وہ اعلیٰ اقدار کی بالادستی کے لیے اپنے ذاتی مفادات کو پس پشت ڈالنے کو ترجیح دے۔

میں نے اسے بتایا کہ میں جن لوگوں کو جانتا ہوں، وہ اپنے نصب العین (Vision) کے بارے میں بڑی خود اعتمادی سے بات کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انہیں کیسی زندگی چاہیے، وہ کن اقدار کے مداح ہیں اور کس طرح کے معاشرے کی تمنا رکھتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی حالات مشکل ہوتے ہیں اور دباؤ بڑھتا ہے، وہ تمام تر وضاحت دھندلانے لگتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اصل خلا کہاں رہ جاتا ہے؟

وہ مسکرایا اور کہنے لگا، "یہ خلا ٹھیک اسی مقام پر پیدا ہوتا ہے جہاں نصب العین کا سامنا تلخ حقیقت سے ہوتا ہے۔ اس لمحے سے پہلے تک، اقدار بہت سستی ہوتی ہیں۔ ان پر کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ اصل لمحہ وہ ہے جب صورت حال عمل کا تقاضا کرے— جب سہولت پسندی، خوف یا لالچ دل میں داخل ہو جائے۔ یہی وہ وقت ہے جب انسان کا واسطہ محض خیالات سے نہیں بلکہ اپنے کردار سے پڑتا ہے۔"

میں نے اس سے پوچھا کہ وہ لمحہ اتنا کٹھن کیوں ہوتا ہے؟

اس نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر فیصلے کی ایک "متبادل قیمت" (Opportunity Cost) ہوتی ہے۔ جب آپ کسی ایک چیز کا انتخاب کرتے ہیں، تو خاموشی سے کسی دوسری چیز کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ لوگ عموماً اسے صرف وقت یا پیسے کے تناظر میں دیکھتے ہیں، لیکن اس کے کئی دوسرے پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔ اخلاقی موقف اختیار کرنے کی بھی اپنی قیمت ہوتی ہے۔ اپنے نظریات اور اقدار کی پاسداری اس وقت آزمائش بن جاتی ہے جب عمل کے میدان میں ان کا تقاضا بہت بھاری محسوس ہونے لگے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہمارے اصولوں سے ہماری وابستگی پر کھی جاتی ہے۔

اس نے کہا کہ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کچھ لوگوں کو ان کے جانے کے طویل عرصے بعد بھی یاد رکھتے ہیں۔ تاریخ ان لوگوں کے نام محفوظ نہیں رکھتی جنہوں نے سب سے زیادہ فائدہ سمیٹا، بلکہ ان کے نام یاد رکھتے ہیں جو اس وقت بھی ڈٹے رہے جب ثابت قدمی بہت مہنگی پڑ رہی تھی۔ وہ لوگ جن کا عمل دباؤ میں آکر ریزہ ریزہ نہیں ہوا۔

میں نے اس سے پوچھا کہ ایسے لمحات میں وہ کیا چیز ہے جو انسان کو بکھرنے سے بچائے رکھتی ہے؟

"اس نے کہا: 'دیانت'۔ پھر وہ لمحہ بھر کر اور اضافہ کیا کہ وہ دیانت کو اندر باہر کی یک رنگی کے طور پر دیکھنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ ایک ایسی اکائی جس میں کوئی داخلی تضاد نہ ہو۔ آپ کا یقین، آپ کا قول اور آپ کا فعل ایک دوسرے کو مخالف سمت میں نہ کھینچ رہے ہوں۔"

اس نے وضاحت کی کہ دیانتداری کا مطلب "کمال" یا غلطی سے پاک ہونا نہیں ہے۔ اس کا مطلب سچائی اور دیانت ہے۔ اگر آپ سے کوئی کوتاہی ہو جائے، تو آپ بغیر کسی حیلے بہانے کے اسے تسلیم کریں۔ آپ اپنی آسائش کے تحفظ کے لیے اپنے اصولوں کی نئی تشریح نہیں کرتے۔ آپ محض اس لیے اپنے تضاد کا جواز پیش نہیں کرتے کہ اس وقت یہی کرنا ضروری لگ رہا تھا۔

اس نے مجھ سے کہا کہ ذرا سوچو لوگ کتنی آسانی سے دوسروں کی بددیانتی پر تنقید کرتے ہیں، لیکن جب صورت حال کٹھن ہو تو اپنے چھوٹے سے جھوٹ کا بھی دفاع کرنے لگتے ہیں۔ اس نے کہا، بس اسی مقام پر انسانی شخصیت کی وہ "سالمیت" خاموشی سے ٹوٹ چھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔

پھر اس نے گفتگو کا رخ عزت نفس اور وقار کی طرف موڑ دیا۔ اس نے کہا کہ اکثر لوگ اس کا مطلب بالکل غلط سمجھتے ہیں۔ ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ وقار کا مطلب دوسروں کے برے رویے پر سخت رد عمل دینا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صبر یا درگزر سے ہم کسی طرح چھوٹے ہو جائیں گے۔

اس نے کہا کہ خودداری کا اس بات سے کوئی لینا دینا نہیں کہ دوسرے کیسے رویے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کا پورا تعلق اس بات سے ہے کہ آپ اپنے اصولوں پر کتنی سچائی سے کاربند ہیں۔ لوگ آپ کے ساتھ اپنے معیار کے مطابق سلوک کرتے ہیں— جو پیسہ، طاقت، انا یا عدم تحفظ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ کے وقار کا پیمانہ آپ کا اپنا معیار ہے۔

میں نے اس بات کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ میں نے کتنی بار اپنی قدر و قیمت کو دوسروں کے رویے کے ساتھ منسلک کر کے خود کو الجھا لیا تھا؟

اس نے کہا کہ محض اس لیے اپنے اصولوں کو چھوڑ دینا کہ کوئی دوسرا اپنے اصولوں پر پورا نہیں اترا، خودداری نہیں بلکہ "خود سے غداری" ہے۔ وقار میں اضافہ تب ہی ہوتا ہے جب عمل اور یقین میں ہم آہنگی ہو۔

میں نے اس سے پوچھا کہ پھر لوگ ان لمحات میں کیوں ناکام ہو جاتے ہیں جو بظاہر بہت معمولی نظر آتے ہیں؟

اس نے کہا کہ انسان فوری سکون کا عادی ہے۔ جب بھی کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے، پہلا جذبہ یہی ہوتا ہے کہ کسی بھی قیمت پر اس بے چینی کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ ہم ذہنی دباؤ سے بچنے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔ ہم اپنی ساکھ بچانے کے لیے جواز تراشتے ہیں۔ ہم اپنی انا کے تحفظ کے لیے مدافعت اختیار کرتے ہیں۔ وقتی طور پر مسئلہ تو غائب ہو جاتا ہے۔ لیکن نقصان باقی رہتا ہے۔

اس نے مجھے اسے ایک اصول کے طور پر اپنانے کو کہا: اکثر جب آپ کسی فوری مسئلے کو حل کرنے کے لیے جلدی کرتے ہیں، تو آپ اپنے طویل مدتی نصب العین کی قربانی دے دیتے ہیں۔ تعلقات کمزور پڑ جاتے ہیں، اعتماد اٹھ جاتا ہے اور کردار کی چمک ماند پڑ جاتی ہے۔ اس نے مجھے چیلنج کیا کہ میں اس کی کوئی استثنائی مثال ڈھونڈوں۔ میں بہت سوچنے کے بعد بھی ایسی کوئی مثال نہ ڈھونڈ سکا جہاں اصولوں پر سمجھوتہ کر کے طویل مدتی فائدہ ہوا ہو۔

اس نے ایک چھوٹی سی مثال دی۔ فرض کریں آپ کسی جگہ پر بیٹھے کسی سے گفتگو کر رہے ہوں اور ایک بچہ بار بار مداخلت کرے۔ سب سے آسان حل غصہ ہے۔ سخت الفاظ، جھڑک دینا یا اسے وہاں سے ہٹا دینا۔ وقتی مشکل تو ٹل گئی، لیکن کچھ اور ہے جو ہاتھ سے نکل گیا۔ اگرچہ وہ بڑا شخص یہ بات بھول جائے گا، لیکن ممکن ہے وہ بچہ نہ بھولے۔ اس نے کہا کہ صرف یہی ایک امکان ہمیں رک کر سوچنے پر مجبور کرنے کے لیے کافی ہونا چاہیے۔

پھر اس نے چیلنجر کو دیکھنے کا ایک مختلف زاویہ پیش کیا۔ کیا ہوا اگر ہم ان مشکلات کو اپنی آسائش کی راہ میں رکاوٹ سمجھنے کے بجائے، اپنی دیانتداری کو مضبوط کرنے کے مواقع سمجھیں؟ کیا ہوا اگر ہر مشکل خاموشی سے اس بات کی پیمائش کر رہی ہو کہ ہم اپنی ذات میں کتنے مکمل اور یکسو ہیں؟

اس نے مجھے یاد دلایا کہ زندگی ہماری سچائی اور دیانتداری کا امتحان صرف بڑے اور ڈرامائی لمحات میں نہیں لیتی، بلکہ یہ عام حالات میں ہمارا امتحان لیتی ہے۔ جیسے کہ چڑچڑے پن کے عالم میں آپ کی گفتگو کیسی ہوتی ہے، جب کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو آپ کیا فیصلہ کرتے ہیں، اور جب جھوٹ بولنا زیادہ آسان ہو تو آپ کا عمل کیا ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ جو لوگ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں دیانتداری کی مشق کرتے ہیں، وہی بڑے امتحانوں میں ثابت قدم رہنے کی صلاحیت پیدا کر پاتے ہیں۔ جو روزمرہ کی بنیاد پر سمجھوتے کرتے ہیں، ان کے لیے بڑے معرکے میں سر اٹھا کر کھڑا ہونا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔

جب گفتگو اختتام کو پہنچی، تو اس نے ایک ایسی بات کہی جو میرے دل میں نقش ہو گئی: دیانتداری اور وقار کوئی تجریدی تصورات نہیں ہیں، بلکہ یہ روزانہ کی مشق اور ڈسپلین (Discipline) کا نام ہیں۔ یہ فیصلے کرتے وقت آپ کو یہ نہیں بتاتے کہ آپ نے کیا حاصل کیا، بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا آپ اپنی ذات میں "مکمل" رہے؟

مشکلات آتی رہیں گی، یہ ناگزیر ہے۔ اصل سوال صرف یہ ہے کہ کیا ہم انہیں اپنی آسائش کے لیے خود کو چھوٹا کرنے کے لیے استعمال کریں گے۔ یا سچائی کی خاطر خود کو مزید مضبوط بنانے کے لیے۔

اور اس نے بڑی دھیمی آواز میں کہا، "دوسرے تمام فیصلوں کی طرح، اس انتخاب کی بھی اپنی ایک قیمت ہے۔"